مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاں فارسی اشعار کا استعمال

(خط بنام صدر یار جنگ کے حوالے سے)

ڈاکٹر بشریٰ پروین☆

Persian verses in the letters of Molana Abdul Kalam Azad

Dr. Bushra Parveen

Abstract:

In literature letter writing is a kind of prose. In old times letter writing was a communicational need. This article is based on a letter of Molana Abdul Kalam Azad. It is a fourth letter in his book Gubar-e-Khatir. This letter has been selected because of Persian poetic verses. Molana had a full command and grip over Urdu, Persian and Arabic languages. He wrote this letter to his friend Sadar year Jang. This letter has three topics journey of train, tea and smoking. While discussing these topics, Molana not only showed writing style in prose but he also proved that he had a good sense of poetry in different languages.

Key words:

Persian verses, Molana Abdul Kalam Azad, Letters, Train, Provision

کلیدی الفاظ:

فارسی اشعار،، مولانا ابوالکلام آزاد، مکاتیب، اہل، قید

انیسویں صدی کے وسط میں جب ہندوستان کے ایوانوں سے فارسی نے اُڑان بھری تو اردو زبان نے اس کی جگہ سنبھالی۔ باقی اصناف کی طرح خط نگاری کا اولین دور بھی فارسی انداز سے متاثر تھا۔ اور اب معاملات کا سارا بار اردو مکتوب نے اُٹھالیا۔ گو مکتوب نگاری کا انداز بہت عرصے تک فارسی انداز سے متاثر رہا۔ وہی القابات و آداب، وہی عنوان اور وہی اختتامیے، وہی تکلفات اور رنگینی ادا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ ان تکلفات کی جگہ سادگی نے لینا شروع کی۔ غالب کے خطوط سادگی اور ہلکے پھلکے انداز میں اپنی مثال آپ ہیں۔ یہاں اُن کی طبیعت اور مزاج کا بھی خاصا ہاتھ ہے۔ اُن کے خطوط نہ صرف سادگی اور ہلکا پھلکا انداز لیے ہوئے ہیں بلکہ اُن کا ظریفانہ انداز بھی پڑھنے والے کو اپنی گرفت میں لیے رکھتا ہے چاہے مکتوب کا عنوان کچھ بھی ہو،

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، نمل، اسلام آباد

غالب کے اندازِ تحریر نے اُن کے مکاتیب کو لافانی کر دیا ہے۔ غالب کے علاوہ شبلی، حالی اور اکبر آلہ آبادی کے خطوط کا اندازِ تحریر بھی منفرد اور سادہ تھا۔ سرسید کا دور اپنے سادہ اندازِ بیان کے لیے معروف ہے، اس لیے ان کے رفقاء سے اسی قسم کی توقع کی جاسکتی تھی۔ مولانا حالی کے خطوط بھی دل و دماغ کو تازہ و شاداب رکھنے کا انداز لیے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ اکبر آلہ آبادی کے خطوط ظرافت دلچسپی اور اختصار جیسی خوبیوں سے پُر ہیں۔

مکتوب نگاری کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ ایک زمانے میں ضرورت بھی ہوا کرتی تھی اور کچھ لوگ اس صنف کے شوقین ہوا کرتے تھے۔ پیغام رسانی اور حال احوال کی پُرسش کا واحد ذریعہ بھی خط ہی ہوا کرتا تھا۔ مکتوب نگاری کے کوئی اُصول و ضوابط وضع نہیں اور نہ ہی اُسلوب کیونکہ خط لکھنے کی وجہ لکھنے والا اور جس کو خط لکھا جارہا ہے خط کا اُسلوب ان مندرجہ بالا معاملات پر منحصر ہوتا ہے۔

زیرِ بحث مکتوب نگاری ادبی مکتوب نگاری ہے۔ ادبی مکتوب دانستہ ادبی مقاصد کے لیے نہیں لکھے گئے اس ضمن میں اہم شخصیات کے ایسے خطوط جو اُنھوں نے اپنے دوست احباب کو مختلف حالاتِ و واقعات، مختلف مواقع پر لکھے۔ یہ خطوط اردو کی ایک اہم صنف کی بنیاد بن گئے ہیں۔

ان ادبی شخصیات میں سے مولانا ابو الکلام آزاد اپنے اُسلوبِ نگارش کے باعث مکتوب نگاری میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ مولانا کے خطوط کا مجموعہ 6491ء میں "غبارِ خاطر" کے نام سے شائع ہوا۔ مولانا کی مکتوب نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر سید عبداللہ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> "اگر اس دور کی خط نگاری میں منفرد اسلوب کے مالک مکتوب نگاروں کے انتخاب کی اجازت ہو تو مندرجہ بالا اکابر میں سے صرف ابو الکلام آزاد اور مولوی عبدالحق ہی کا انتخاب ہو سکے گا۔"(1)

مولانا نے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز تو سب سے پہلے اپنے والدین کے حالات قلمبند کر کے کیا اور شاعری کا باقاعدہ آغاز 1899ء میں کیا۔ مولانا کو عربی اور فارسی پر عبور حاصل تھا۔ اور اردو چونکہ مروجہ زبان تھی تو اردو پر بھی دسترس رکھتے تھے۔ مولانا نے اپنی زندگی میں کئی مرتبہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں انہوں نے اپنی سیاسی سرگرمیوں کے باعث ان حالات کا سامنا کیا۔ اس حوالے سے محمد اجمل خان کہتے ہیں:

"مولانا کی سیاسی زندگی کے طوفانی حوادث اُن کی تمام دوسری حیثیتوں پر چھا گئے ہیں لیکن خود مولانا نے اپنے (3) تین اشعار اردو کے اور ایک شعر اور ایک مصرعہ عربی کا بھی موجود ہے۔"

یہ خط خاصا طویل ہے۔ یہ خط 3 اگست کو لکھا گیا کہ مولانا کو 9 اگست کو گرفتار کر لیا گیا اس لیے ارسال نہ کیا جا سکا۔ مولانا کے اُسلوب کی یہ خوبی نمایاں ہے کہ وہ اُن کی نثری مضامین چھوٹے چھوٹے پیراگراف کی شکل میں ہوتے ہیں اور تقریباً ہر پیراگراف کے اختتام پر ایک شعر یا مصرع ہوتا ہے۔ اُن کے باکمال حافظے کے باعث ہر شعر نثر کے متن سے ایسا ربط رکھتا ہے کہ متن کا ضروری جُز محسوس ہوتا ہے۔ مولانا اردو، فارسی اور عربی اشعار کا استعمال بے انتہا روانی سے کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کو ان تینوں زبانوں پر کمال عبور حاصل تھا۔ مولانا کے اُسلوب کی ایک خوبی واقع نگاری بھی ہے۔ اُن کے خطوط بالخصوص واقعہ نگاری کے اعلیٰ نمونے ہیں۔

زیرِ نظر خط میں چار مضامین یعنی، بیماری، ریل کا سفر چائے نوشی اور سگریٹ نوشی کے متعلق واقعات کو رقم کیا گیا ہے۔ خط کی اصل تعریف کے مطابق ہیں:

"مکتوب وہ تحریر ہے جس میں طے شدہ طریقہ کار کے مطابق کوئی شخص اپنا پیغام ذاتی رائے یا کوئی علمی نکتہ کسی دوسرے تک پہنچائے۔"

اب فیصلہ یہ کرنا ہے کہ مولانا آزاد کے مکتوب مندرجہ بالا تعریف کے مطابق ہیں یا نہیں۔ بقول سنبل نگار:

"یہ سوال بار بار دہرایا گیا ہے اور واقع یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ ان خطوں کو کسی خانے میں رکھا جائے ---ان میں بلا شبہ مضمون کی شان پائی جاتی ہے---اسی لیے بعض اہلِ نظر نے یہ خیال ظاہر کیا کہ مولانا نے مضمون لکھے۔ انشائیے تحریر کیے اور انہیں خط کی شکل دینے کے لیے سیاسی زندگی کو علمی اور ادبی علائق سے بالکل الگ رکھا ہے---وہ جب کسی ان دوستوں سے ملیں گے یا خط و کتابت کرینگے تو اس میں سیاسی افکار و اعمال کا کوئی ذکر نہ ہوگا---ایک مر تبہ اس معاملے کا خود ملانا ہے ذکر ہوا تو فرمانے لگے جس شخص سے میرا تعلق جس حیثیت سے ہے میں ہمیشہ اُسے اُسی حیثیت میں محصور اور محدود رکھنا چاہتا ہوں۔"(2)

مولانا کے دوستوں میں نواب صدر یار جنگ کو خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ نواب صاحب سیاسی میدان سے دور ہی رہتے جبکہ مولانا کی پوری زندگی سیاسی معرکہ آرائی میں گزری۔ دونوں کے درمیان جو بھی خط و کتابت ہوتی یا گفتگو ہوتی اُس میں سیاست کا کوئی دخل نہ ہوتا۔ قلعہ

احمد نگر سے ایک خط 29 اگست 1942ء میں نواب صاحب کو لکھا۔ جس میں وہ سیاسی حالات کی بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"مجھے یہ قصہ یہاں نہیں چھیڑنا چاہیے میری آپ کی مجلس آرائی ان معاملات کے لیے نہیں ہو کرتی۔۔۔میری دکان سخن میں ایک ہی طرح کی جنس نہیں رہتی لیکن آپ کے لیے کچھ نکالتا ہوں تو احتیاط کی چھلنی میں اچھی طرح چھان لیا کرتا ہوں کہ کسی طرح کی سیاسی مِلاوٹ باقی نہ رہے"[(3)]

مولانا کے جس خط کا ذکر اس مضمون میں کیا جارہا ہے۔ یہ نواب صدریار جنگ کو 9 اگست کی گرفتاری کی وجہ سے ارسال نہ کیا جاسکا۔ یہ ایک طویل خط ہے۔ مولانا نے اس خط میں عربی فارسی اور اردو تینوں زبانوں کی شرینی گھول کر جو آمیزہ تیار کیا ہے وہ اپنی اثر آفرینی کی آپ مثال ہے۔ اس خط میں نثر کے ساتھ ساتھ کئی اشعار کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔ فارسی اشعار کی تعداد گیارہ(11) ہے۔ چھے(6) فارسی اشعار کا ایک مصرع ہر خط کے شروع میں "صدیق مکرم" کا لقب ٹانک دیا۔ آخر میں دستخط فرمادیے "ابوالکلام" اور یہ "خط" بن گئے۔"[(4)]

اس بحث میں اُٹھے بغیر اپنے اصل موضوع پر آتے ہوئے یہ جائزہ لیتے ہیں کہ مولانا آزاد نے 3 اگست 1942ء کو جو خط نواب بہادر کو لکھا اُس میں سیاق وسباق کے ساتھ کیسے اشعار کا استعمال کیا ہے۔ خط کے آغاز میں اپنی بیماری کا ذکر کرتے ہوئے غالب کا شعر لکھا۔ کہتے ہیں:

"دہلی اور لاہور میں انفلوائنزا کی شدت نے بہت خستہ کر دیا تھا سر کی گرانی کسی طرح کم ہونے پر نہیں ہوتی۔ حیران ہوں اس وبال روش سے کیونکر سبک دوش ہوں؟ دیکھیے وبال دوش کی ترکیب نے غالب کی یاد تازہ کر دی"

شور یدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبال دوش
صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

دو تین سطروں کے بعد بیماری میں ہی اپنی واپسی پر غالب کا ایک اور شعر تحریر کر دیا

رو میں ہے رخش عمر، کہاں دیکھتے تھے
نے ہاتھ باگ پر ہے، نہ پا ہے رکاب میں(۵)

انہی حالات کے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے، آقا رضی مسرور قزدینی کا شعر رقم کیا:

فیضے عجب یافتم از صبح بینید
دیکھیے صبح سے ایک عجیب فیض پایا ہے
ایں جادہ روشن رہِ میخانہ نہ باشد

لیکن یہ روشن راستہ شراب خانے کا نہ ہو

اس کے بعد اپنے ریل کے سفر کا احوال بیان کرتے ہوئے، ریل کے ڈبے اور صُبح کی ہوا کا احوال بیان کیا اور ساتھ ہی خواجہ شیراز کا شعر پڑھ دیا، جو ان کے حافظے اور فارسی زبان پر عبور کو ظاہر کرتا ہے۔

خوشش با دا نسیم صبح گاہی
نسیم صبح کی خنکی ہمیشہ رہے
کہ دردِ شب نشیناں دا دوا کرد
کہ جس نے شب نشینوں کے درد کی دوا کی

ریل کے سفر کی طوالت اور ریل کے معمول کے مطابق دیر سے پہنچنے کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں "جس منزل سے اس وقت گزر جاتا تھا ابھی تک اس کا کوئی سُراغ دِکھائی نہیں دیتا"۔ اس کے ساتھ ہی جو بر محل شعر رقم کیا وہ بھی قابلِ داد ہے۔

کسی نمی گویدم از منزل آخر خبرے
کوئی بھی مجھے آخری منزل کی خبر نہیں دیتا
صدبیا باں بگزشت و دگرے در پیش است
سو بیاباں پا ر کیے اور آگے اور بھی ہیں

اسی سفر کے دوران جو دوسری رات ریل میں بسر کی اور اس رات کے بسر ہونے کی روئیداد کو بڑی خوبصورتی سے اپنی انشا پردازی کے جوہر دِکھاتے ہوئے بیان کیا۔یعنی کبھی نیند آگئی اور کبھی آنکھ کھل گئی کبھی سکون اور کبھی اضطراب، اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ "گویا ساری رات دو متضاد خوابوں کے دیکھنے میں بسر ہو گئی۔ایک تعمیر کی نقش آرائی کرتا تھا، اور دوسرا تخریب کی برہم زنی"۔ اب دیکھیے کس خوبصورتی سے موقع محل کے مطابق فارسی اشعار کا استعمال کرکے اپنے بیان کی تصدیق کی۔

بیداری میانِ در خواب ست زندگی
دو خوابوں کے درمیان بیدار زندگی ہے یعنی ایک نیند سے دوسری نیند تک
گرد تخیل دوسراب ست زندگی
بلکہ حیات تخیل اور فریت کے دائرے میں محصور ہے
از لطمۂ دو موج حبابے دمیدہ است
دو موجوں کے ٹکراؤ سے حباب وجود میں آیا ہے

یعنی طلسم نقش بر آب است زندگی
یعنی پانی پر ایک جادوئی نقش ہے زندگی

اس کے بعد مولانا دورانِ سفر اپنے شوق چائے نوشی کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ ریل گاڑی میں اپنی اس عادت کی تکمیل کا تذکرہ پوری تفصیل سے کیا کہ کس طرح اس کو پورا کیا۔ یہاں اپنے سہولت کار کا ذکر بھی کرتے ہیں اور کہا کہ وہ صبح چائے بنا کر دینے کے بجائے سیرت والا چولہا چائے کا سامان اور پانی حسبِ ضرورت چھوڑ جاتا ہے کہ یبر خود نہیں آتا بلکہ میری آنکھ تو صبح کھل جاتی ہے لیکن صبح ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اُسے جاگنے نہیں دیتے۔ یہاں مولانا دونوں کی ایک ہی وقت میں ایک ہی منظر میں اور ایک جیسے حالات میں دو انسانوں کے مختلف مزاجوں کو شیخ شیراز کے شعر کا حوالہ دے کر بیان کیا ہے:

باراں که در لطافت خلاف نیست
درباغ لا له رویدو در شور بوم خس

بارش کی قدرتی لطافت سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن وہی بارش باغ میں لالہ اور بنجر زمین میں خش وخاشاک اُگاتی ہے

اگلے پیراگراف میں کسی سٹیشن کی اور اپنے ملازم عبداللہ کی آمد سے مایوسی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی چائے بھی بنانے کے بارے میں بتاتے ہیں اور جب چائے پینے لگے تو مخاطب کے لیے ایک اور فارسی مصرع تحریر کر دیا۔

نفسے بیادِ تو می زنم، چہ عبارت
تمہاری یاد میں جی رہا ہوں
وچہ معانیم
کیا تم جان سکتے ہو کہ الفاظ و معنی کے کتنے دفتر اس میں چھپے ہوئے ہیں۔

پھر چائے کی تعریف کرتے ہوئے اُس کی قسم اور آبائی دیس کے بارے میں بتاتے ہیں۔ یہاں عربی شعر کی مدد سے اپنے الفاظ کی تاثر پر ابونواس کے شعر کی مہر ثبت کی۔

رق الزجاج ورقت الخمر
شیشہ بھی شفاف ہے اور شراب بھی
فتشابھا، فتشا کل الامر
دونوں ایک جیسے ہیں، اس لیے یہ بات مشکل ہے:

اس کے ساتھ ہی ایک اور فارسی شعر

ساقی بدہ طلِل گراں

ساقی شراب کے ان متوالوں کو ایسی شراب کے جام دے

زاں مے کہ دہقان پرورد

جسے کسان نے اپنے خون کی حدت سینچا ہے

اس کے بعد سگریٹ کے کش اور چائے کے گھونٹ کی آمیزش کا تذکرہ کرتے ہیں۔ دونوں کی آمیزش سے جو سرور اور کیف محسوس کر رہے ہیں اُس کی تفصیلاً اور بھرپور انداز میں وضاحت بھی کی۔ مولانا کو جذبات نگاری میں کمال حاصل تھا۔ قاری اُن جذبات کو کیفیات کو خود بخود محسوس کرنے لگتا ہے جو زیرِ مطالعہ ہوں۔ آخری جملہ شاید راقم کے الفاظ کی وضاحت کے لیے کافی ہوگا:

"ان دو اجزائے تند و لطیف کی آمیزش سے کیف و سرور کا کیسا معتدل مزاج ترکیب پذیر ہو گیا ہے۔"(6)

مندرجہ بالا الفاظ کی تصدیق فیفی کے مندرجہ ذیل شعر سے کی:

اعتدال معانی از من پرس

اعتدال کے معنی ہم سے نہ پوچھو

کہ مزاجِ سخن شناختہ ام

کہ ہم سخن گوئی کے مزاج کو سمجھتے ہیں۔

اس کے بعد چائے اور سگریٹ نوشی کو عِلت بھی قرار دیا اور ساتھ ہی کہتے ہیں کہ

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس روگارِ خراب میں زندگی کو زندگی بنائے رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ غلطیاں بھی ضرور کرنی چاہیں۔"(6)

اس جملے کے فوراً بعد فارسی شعر:

پیرِ ما گفت خطا در قلم منع نہ رفت

میرے بزرگ نے بتایا ہے کہ خطا بنانے والے کے قلم سے نہیں ہوئی

آفریں بر نظر پاک خطا پوشش باد

خطاؤں کی پردہ پوشی کرنے والے پر آفرین ہے

یہاں تین فارسی اشعار، فارسی مصروں اور ایک اردو زبان کے شعر کی مدد سے زندگی میں سرزد ہو جانے والے اچھے اور بُرے اعمال ناگزیر قرار دیتے ہیں یعنی اُن کی اس طویل گفتگو کا نچوڑ ہم اُنکے اس جملے کو دے سکتے ہیں۔

"یہاں کامرانی سود وزیاں کی کاوش میں نہیں ہے بلکہ سود زیاں سے آسودہ حال
رہنے میں ہے۔"(7)

اس گفتگو کے دوران ایک مصرع:

تو وقطع منازلہا، من ویک لغزشِ پائے

اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے ایک شعر عارف شیراز کا لکھتے ہیں:

بیا کہ رونق ایں کارخانہ کم نہ شود
آؤ کہ اس کارخانہ حیات کی رونق کم نہ ہو
ززُہد ہم چو توئی یا بفسق ہم چو منی
تیسرے زُہد کے باعث یا ہماری بد اعمالی کے کی وجہ سے

زندگی میں شامل خرابیوں اور بُرائیوں کی وکالت کرتے کہتے ہیں کہ زندگی میں ان آلودگیوں کو ترک نہ کریں بلکہ ان سے اتنا واسطہ رکھیں کہ یہ آپ حاوی نہ ہو سکیں اس دلیل کی تصدیق کے لیے یہ فارسی مصرع تحریر کیا:

ترکِ ہمہ گیر و آشنائے ہمہ باش
ہر چیز کو ترک بھی کر دو اور ہر چیز سے آشنائی بھی رکھو

ارادے کی مضبوطی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ بات اگر اُنہی کی زبان سے سُنی جائے تو شاید زیادہ مئوثر و بہتر ہو گی۔ کہتے ہیں:

"کچھ ضروری نہیں کہ آپ اس ڈر سے ہمیشہ اپنا دامن سمیٹے رہیں کہ کہیں بھیگ
نہ جائے۔ بھیگتا ہے تو بھیگنے دیجیے لیکن آپ کے دست وبازو میں یہ طاقت ضرور
ہونی چاہیے کہ جب چاہا اس طرح نچوڑ کے رکھ دیا کہ آلودگی کی ایک بوند بھی
باقی نہ رہے۔"(8)

میر درد کا شعر تحریر کیا:

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جا ئیو
دامن نچوڑدیں تو فرشتے وضو کریں

اس کے بعد ایک اور عرفی کے شعر کے ذریعے اپنی دلیل کو ثابت کرنے کی کوشش کچھ یوں کی:

ہم سمندر باش و ہم ماہی کر دار قلیم عشق
اقلیم عشق میں سمندر کی طرح رہو اور مچھلی مانند بھی،
روئے دریا سلسبیل و قعرِ دریا آتش است

دریا کے اوپر پانی اور دریا کی گہرائی میں آگ ہے

اس شعر کے بعد اپنی 1921ء میں گرفتاری کا واقعہ بیان کیا کہ کس طرح دو سال کی قید میں سگریٹ نوشی چھوڑ دی۔ گھر سے تو سِگریٹ کہیں لے گئے لیکن جیل کے اندر چونکہ سِگریٹ نوشی ممنوع تھی۔ اپنے سِگریٹ جاتے ہوئے کو جیلر کو دے گئے اور دو سال اس وبال سے بچے رہے۔ جبکہ جیل میں اُن کے ساتھی باقاعدگی کے ساتھ اپنے اس شوق کو پورا کرتے تھے۔ اس واقعہ سے مولانا کے کردار میں موجود احساسِ ذمہ داری اور احساسِ پاسداری قانون کی بہترین مثال موجود ہے۔

شراب الیہود کا ذکر کیا:

شرابِ الیہود کرتے ہیں نصرانیوں سے ہم عصر

"اسلامی حکومتوں میں یہودی پوشیدہ شراب بناتے تھے اور بیچتے تھے اس لیے پوشیدہ شراب کے معنی میں "شراب الیہود" کی اصطلاح رائج ہوگئی۔"[9]

جیل میں لوگ اپنی اس لت کو ترک نہیں کر سکتے اور چھپ چھپا کے بلکہ جیل حکام کے سامنے بھی یہ کام جاری تھا۔ جبکہ بقول مولانا کے کئی مرتبہ گھر سے سِگریٹ کے ڈبے آئے لیکن اُنھوں نے نہیں پیئے اور وہ سگریٹ اپنے ساتھیوں اور جیل حکام کو دے دیے۔ یہاں ایک عربی مصرع تحریر کیا:

ولاتسقنی سر أفقد امکن الجعر

ترجمہ: "شراب پلا ساقی اور مجھے بتادے کہ یہ شراب ہے۔"

یہ شعر کا دوسرا مصرع ہے جبکہ پورے شعر کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

"مجھے شراب پلا اور یہ کہہ کر پلا کہ یہ شراب ہے۔ مُجھے چھپا کر نہ پلا کیونکہ اب کُھل کر پینا ممکن ہوگیا ہے۔"[10]

یوں اسی کے تسلسل میں ایک فارسی مصرع بھی شامل کر دیا:

خوشم کہ توبہ من نرخِ بادہ ارزاں کرد

مجھے خوشی ہے کہ میری توبہ نے شراب کے نرخ کم کر دیے ہیں

اس کے بعد اپنی سگریٹ نوشی اور قید کے قصے کو آگے بڑھاتے ہیں ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب دو سال کے بعد مُجھے دیا گیا تو جیل کے دفتر میں سپرنٹنڈنٹ نے مجھے ایک سگریٹ پیش کیا۔ اور مولانا کے بقول دو سال پہلے جس عزم سے اُنھوں نے سگریٹ نوشی تر

ک کی تھی اُسی طرح اُن کی پیش کش قبول بھی کر لی۔یعنی نہ ترک کرنے میں دیر لگی اور نہ ہی دوبارہ پینے میں کوئی پس وپیش کی اس مناسبت سے جو فارسی شعر تحریر کیا وہ یہ ہے:

حریف صا فی و دَردی نہ ، خطا ایں جاست

حریف بھی ہوااور رنج اور پریشانی نہ ہو تو خطا یہاں ہے

تمیز نا خوش و خوش می کنی بلا ابن جاست

خوشی اور ناخوشی میں فرق بھی کرتے ہو تو مشکل یہاں ہے

اختتام کی طرف بڑھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ 1921ء کے بعد تین دفعہ قید وبند کے مرا حل پیش آئے لیکن سگریٹ نوشی ترک نہ کی کیونکہ اس سے منع نہیں کیا گیا۔اگر روکا جاتا تو پھر ترک کر دیتا۔

اس مکتوب کا اختتامیہ قطعاً روایتی انداز میں نہیں ہے۔ایک جُملہ کہ اب قلم کی سیاہی ختم ہو رہی ہے اس لیے رُک جاتا ہوں اس کے بعد قلم کے حوالے سے ایک فارسی مصرعہ تحریر کیا۔

قلم ایں جارسید وسَر بشکست

قلم یہاں تک پہنچااور ٹوٹ گیایارُک گیا

اور بس آخر میں اپنانام تحریر کر دیا۔

ابوالکلام

حوالہ جات

1۔ سیّد عبداللہ، ڈاکٹر، وجہی سے عبدالحق تک، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور 1966، ص282

2۔ محمد اجمل خان، غبارِ خاطر، از ابوالکلام آزاد، حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی، س ن، ص9

3۔ ایضاً، ص13-12

4۔ ڈاکٹر سنبل نگار، اردو نثر کا تنقید مطالعہ، زبیر بکس میاں مارکیٹ لاہور، س ن، ص224-225

5۔ مولانا ابوالکلام آزاد، غبارِ خاطر، گنج شکر پرنٹرز لاہور، 2012، ص48

6۔ ایضاً، حواشی، ص50

7۔ ایضاً حواشی، ص50

8۔ تراجم اشعار، اسسٹنٹ پروفیسر، ڈاکٹر عنبر شعبہ فارسی نمل اسلام آباد
اسسٹنٹ پروفیسر، ڈاکٹر سلمہ شاہدہ، شعبہ عربی نمل اسلام آباد